معیار: علمی و تحقیقی مجلّہ، شعبۂ اُردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، جلد:۱، شمارہ:۲ جولائی-دسمبر۲۰۰۹ء

جنوبی ایشیا میں فقہ حنفی اور افتاء کا ارتقاء

مجیب احمد*

فقہ حنفی، تمام فقہی مذاہب میں قدیم ترین ہے۔اس کی ابتداء کوفہ سے ہوئی پھر یہ عراق کے مختلف شہروں میں پھیل گئی۔ بعدازاں دیگر ممالک کے اکثر شہروں میں پھیلتی گئی۔ ہارون الرشید (۷۶۶ء-۸۰۹ء) کے عہد (۷۸۶ء-۸۰۹ء) میں فقہ حنفی، سلطنت بنو عباس (۷۴۹ء-۱۲۵۸ء) میں ملکی قانون کے طور پر نافذ العمل بھی رہی۔ ہارون الرشید نے تقریباً ۷۸۷ء کے بعد، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیمؒ (۷۳۱ء/۱۳۲-۷۹۸ء) کو اپنی سلطنت کا قاضی القضاۃ نامزد کیا، جو مسلم تاریخ کے پہلے قاضی القضاۃ ہیں۔[۱]

فقہ حنفی کی مختلف بلاد اسلامیہ میں اس تیزی سے پھیلنے کی وجہ یہ ہے کہ تمدنی زندگی کے ساتھ اس کی مناسبت باقی دیگر فقہی مذاہب سے زیادہ ہے۔ فقہ حنفی میں تدریج کا اصول پیش نظر رکھا گیا ہے اور استنباط مسائل میں زمانہ اور ماحول کے تقاضوں کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ فقہ حنفی میں دوسرے فقہی مذاہب کی نسبت قلت حرج کے اصول کو اپناتے ہوئے، احکام میں رعایت دی گئی ہے۔ اس میں اصلاً ہر چیز میں حلت اور طہارت سمجھی جاتی ہے۔ حرمت یا نجاست کا حکم دلیل ملنے کے بعد ہی لگایا جاتا ہے۔ تاہم جن اشیاء کی حلت اور حرمت کو قرآن مجید اور سنت نبوی میں صراحۃً یا دلالۃً بیان کر دیا گیا ہے، ان کے بارے میں حکم اسی طرح ہے۔[۲] اس لیے عام مسلمانوں کا قلبی اور ذہنی رجحان فقہ حنفی کی طرف زیادہ ہے۔ گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں مسلم ممالک میں فقہ حنبلی کا غلبہ تھا۔ تاہم آج کل اردن، افغانستان، ترکی، جنوبی ایشیا، شام، عراق، فلسطین، مشرقی یورپ، مصر اور وسطی ایشیا کے مسلمانوں کی عظیم اور غالب اکثریت حنفی المذہب ہے۔ اس کے علاوہ فقہ حنفی کم و بیش دیگر اسلامی ممالک میں بھی جزوی طور پر متداول ہے۔ ایک عام اندازے کے مطابق، اس وقت دنیا میں مسلکِ اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کی دو تہائی اکثریت حنفی المذہب ہے۔ جنوبی ایشیا دنیا کا واحد خطہ ہے جہاں حنفی المذہب مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

فقہ حنفی کا آغاز:

جنوبی ایشیا میں فقہی مسائل اور فقہاء کی آمد کا باقاعدہ آغاز، محمد بن قاسم (۶۹۳ء-۷۱۵ء) کے جون ۷۱۲ء میں سندھ فتح کرنے کے بعد ہوا۔ سب سے اہم مسئلہ، جو اس وقت درپیش تھا وہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے حقوق سے متعلق تھا۔ محمد بن قاسم نے ان کے ساتھ اہل کتاب والا معاملہ کیا۔[۳] محمد بن قاسم نے قاضی موسیٰ بن یعقوب الثقفی کو اروڑ شہر کا قاضی مقرر کیا۔ اسی طرح مذہب ظاہریہ کے ابوالعباس احمد بن محمد صالح منصوری سندھی، منصورہ کے قاضی القضاۃ تھے۔[۴]

* شعبۂ تاریخ، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔

عرب اور حجاز مقدس میں رونما ہونے والی سیاسی تبدیلیاں، جنوبی ایشیا پر بھی اثر انداز ہوتی تھیں۔ فاطمی، ظاہریہ، قرامطہ اور اسمٰعیلی مذاہب کے اثرات اور ان کے مبلغین بھی جنوبی ایشیا میں موجود تھے۔ محمود غزنوی (۹۷۱ء۔۱۰۳۰ء) نے مئی ۱۰۱۱ء میں ملتان اور مارچ ۱۰۲۶ء میں منصورہ کی اسمٰعیلی حکومتوں کو ختم کر کے وہاں مسلکِ اہل سنت و جماعت کو فروغ دینا شروع کیا۔ ۱۰۲۰ء میں لاہور کا غزنی کے تابع ہونے سے یہاں پر سیاسی اور فقہی امور میں مرکزی ایشیا سے روابط کا آغاز بھی ہوا۔ تیرہویں صدی عیسوی میں جنوبی ایشیاء میں فقہی خدمات اور رجحانات کے فروغ میں قاضی منہاج الدین جرجانی، ان کے نواسے قاضی صدر الدین عارف اور مولانا برہان الدین محمود بلخی (م۔۱۲۸۸ء) کے نام نمایاں ہیں۔[5]

سلاطین دہلی کا عہد (۱۲۰۶ء۔۱۵۲۶ء):

سلاطین دہلی نے اپنی ریاستی اور قانونی ضروریات اور ذاتی دل چسپی کے تحت علم فقہ، خصوصاً فقہ حنفی کی بہت سر پرستی کی۔ سلاطین دہلی، فقہاء سے بڑی دل چسپی اور توجہ سے فقہی مسائل پر بحث کرتے تھے اور اس کے لیے عموماً خاص مجالس کا، جن کو 'محضر' کہا جاتا تھا، اہتمام کیا جاتا تھا۔ یہ مباحث عموماً اس دور میں پیدا ہونے والے نئے مسائل کے بارے میں ہوتی تھیں۔ مثلاً مسلم ریاست میں ہندوؤں کی حیثیت، سلطان کا بیت المال اور مال غنیمت میں حصّہ، سیاسی مخالفین کے ساتھ برتاؤ اور مرتدین کے بارے میں سزا۔ علاوہ ازیں علماء وفقہاء از خود بھی سلاطین کو کسی بھی مسئلہ پر قرآن مجید اور سنت نبوی کے بارے میں احکامات سے آگاہ کرتے رہتے تھے اور ان کے غیر شرعی اعمال اور احکام پر تنقید بھی کرتے رہتے تھے۔[6] سلاطین دہلی کے دور میں صرف دہلی میں تقریباً ایک ہزار مدارس تھے۔ جہاں ایک میں فقہ شافعی کے مطابق، جب کہ باقی تمام مدارس میں فقہ حنفی کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔[7]

محمود غزنوی علم فقہ کا جیّد عالم تھا۔ یہ پہلے حنفی المذہب تھا مگر بعد میں شافعی المذہب ہو گیا تھا۔[8] اس نے ایک کتاب **التفرید فی الفروع** لکھی تھی۔ جس میں شافعی مذہب سے متعلق تقریباً ساٹھ ہزار مسائل بیان کیے گئے ہیں۔[9]

خلجی عہد (۱۲۹۰ء۔۱۳۲۱ء) اور تغلق عہد (۱۳۲۱ء۔۱۴۱۲ء) میں فقہ اور اصول الفقہ کو زیادہ اہمیت حاصل رہی۔ تاہم تیرہویں صدی عیسوی میں شیخ داؤد بن یوسف الخطیب کا مرتب کردہ **فتاویٰ الغیاثیہ**، غیاث الدین بلبن (م۔۱۲۸۷ء) کی طرف منسوب ہے۔ غیاث الدین بلبن کو فقہ سے خاصی دلچسپی تھی۔ اس کے عہد (۱۲۶۶ء۔۱۲۸۷ء) میں کئی فقہاء اور علماء موجود تھے۔ فقہ حنفی کے مطابق عربی میں مرتب شدہ **فتاویٰ الغیاثیہ**، جنوبی ایشیا میں غالباً اپنی نوعیت کا اولین مجموعۂ فتاویٰ ہے۔ اس سے پہلے یہاں کے علماء فقہی مسائل کی جمع و تدوین کی اس شکل کے عادی نہ تھے۔[10]

جلال الدین فیروز شاہ خلجی (م۔۱۲۹۶ء) کے عہد (۱۲۹۰ء۔۱۲۹۶ء) میں فقہ حنفی کے مطابق، مولانا صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی نے فارسی میں **فتاویٰ قراخانی** تصنیف کیا۔ یہ مجموعہ قبول قراخان کا ترتیب شدہ ہے اور ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔[11]

محمد بن تغلق (م۔۱۳۵۱ء) کو بھی فقہی معاملات سے بہت دلچسپی تھی۔ اس کے دربار سے ایک سو سے زائد فقہاء منسلک تھے۔ جن سے وہ مختلف امور پر بحث مباحثہ کرتا رہتا تھا۔ بارہویں صدی عیسوی میں شیخ برہان الدین ابوالحسن علی ابن ابی بکر المرغینانی (۱۱۱۷ء۔۱۱۹۷ء) کی تحریر کردہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب **الہدایہ**، محمد بن تغلق کو زبانی یاد تھی۔ محمد بن تغلق نے دیگر ممالک سے جیّد فقہاء کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور مشہور

اور معروف فقہی کتب کو درآمد کیا۔ اس کے عہد (۱۳۲۵ء۔۱۳۵۱ء) میں سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ فضل اللہ ماجو نے **فتاوٰی صوفیاء** مرتب کیا۔[۱۲]

فیروز شاہ تغلق (۱۳۰۸ء۔۱۳۸۸ء) کو فقہی مسائل پر مکمل عبور حاصل تھا۔ چنانچہ اس نے فقہی کتب کی ترتیب وتدوین میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ **فتاوٰی فیروزشاہی** اس کی خواہش پر، مولانا محمد صدرالدین یعقوب مظفر کرامی نے عربی میں مرتب کیا۔ مولانا مظفر کرامی کی وفات کے بعد، فیروز شاہ تغلق نے **فتاوٰی فیروزشاہی** کو از سرِنو مرتب کروا کر اس کا فارسی میں ترجمہ بھی کرایا۔ فیروز شاہ تغلق کی خواہش تھی کہ حکومت کے معاملات احکام شریعت کے مطابق چلائے جائیں۔ اسی لیے **فتاوٰی فیروزشاہی** کے علاوہ اس کے دور کا ایک اور فقہی شاہکار **فوائد فیروزشاہی** بھی ہے، جسے شرف محمد العطائی نے مرتب کیا۔ اس میں فقہی اور اخلاقی مسائل کے علاوہ طبی مسائل پر بھی احکام موجود ہیں۔[۱۳]

فیروز شاہ تغلق کے عہد (۱۳۵۱ء۔۱۳۸۸ء) ہی میں صوبہ بہار کے سپہ سالار تا تارخان کی تحریک پر، شیخ عالم دہلوی (م۔۱۳۸۴ء) نے بعض دیگر علماء کی مشارکت سے، **الہدایہ** کی ترتیب پر فقہ حنفی کا ایک ضخیم مجموعہ مدوّن کیا جو تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ **فتاوٰی تاتارخانیہ** کے علاوہ **زادالسفر** اور **زادالمسافر** کے ناموں سے بھی معروف ہے۔ **فتاوٰی تاتارخانیہ** میں تاتارخان کے بعض فیصلوں کو بھی جمع کیا گیا ہے۔ یہ مجموعۂ فتاوٰی ایک طویل عرصہ تک عمال حکومت اور مابعد فقہاء کے لیے ایک رہنما اور مفتی بہ کا کام دیتا رہا ہے۔[۱۴] **فتاوٰی تاتارخانیہ** علمی اور دینی حلقوں میں اتنا مقبول ہوا کہ اس کے مقابلہ میں **فتاوٰی فیروزشاہی** کی کوئی حیثیت ہی نہ رہی۔[۱۵]

فیروز شاہ تغلق کی وفات کے بعد، دہلی سلطنت تقریباً ربع صدی تک بدامنی اور سیاسی انتشار کا شکار رہی۔ جس سے علمی اور ادبی سرگرمیوں پر بھی منفی اثر پڑا۔ یہاں تک کہ لودھی خاندان کے ۱۴۵۱ء میں برسراقتدار آنے سے علمی سرگرمیوں کو از سرِنو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی۔ جون پور کی خودمختار شرقی حکومت (۱۳۹۴ء۔۱۴۷۹ء) علم وفن کا مرکز ہونے کی وجہ سے 'شیراز ہند' کے لقب سے مشہور تھی۔[۱۶] جون پور کے سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے عہد (۱۴۰۱ء۔۱۴۴۰ء) میں قاضی نظام الدین احمد بن محمد الحنفی الجیلانی (م۔۱۴۶۹ء) نے **فتاوٰی ابراہیم شاہیہ** مرتب کیا اور اسے ابراہیم شرقی کے نام منسوب کیا۔ دو حصوں پر مشتمل عربی اور فارسی میں مرتب شدہ **فتاوٰی ابراہیم شاہیہ** فقہ حنفی کا ایک مستند مجموعہ ہے۔[۱۷] لگ بھگ پندرھویں صدی عیسوی میں گجرات کے ابوالفتح مفتی رکن الدین ناگوری (م۔۱۵۱۴ء) نے قاضی القضاۃ قاضی حماد الدین بن قاضی محمد اکرم گجراتی کی خواہش پر اپنے صاحبزادے مفتی محمد داؤد کی اعانت سے **الفتاوٰی الحمادیہ** عربی اور فارسی میں دو حصوں میں مرتب کیا۔ اس میں ان فقہی مسائل کو شامل کیا گیا ہے جن پر جمہور علماء کا اجماع ہے اور وہ عقل ودرایت کی میزان پر بھی پورا اترتے ہیں۔ فقہ حنفی کے مطابق مرتب شدہ **الفتاوٰی الحمادیہ** ۲۶/۱۸۲۵ء میں کلکتہ (اب کول کتہ) سے دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔[۱۸]

عہد مغلیہ (۱۵۲۶ء۔۱۸۵۷ء):

جنوبی ایشیا میں مغل سلطنت کی بنیاد ظہیر الدین محمد بابر (۱۴۸۳ء۔۱۵۳۰ء) نے رکھی۔ اس کا تعلق آل تیمور سے تھا، جو حنفی المذہب تھے۔ بابر کو فقہی مسائل سے گہری دلچسپی تھی۔ جس کو دیکھتے ہوئے، شیخ نورالدین بن قطب الدین نے مستند روایات اور کتب کی مدد سے شرعی مسائل کی جمع وتدوین کی اور اس مجموعہ کو بابر کی طرف منسوب کرتے ہوئے، اس کا نام **فتاوٰی بابری** رکھا۔ فارسی میں مرتب شدہ یہ مجموعہ

فتاوٰی ظہیریہ کے نام سے بھی معروف ہے۔[19] اگرچہ نصیرالدین محمد ہمایوں (۱۵۰۸ء۔۱۵۵۶ء) کے عہد (۱۵۳۰ء۔۱۵۴۰ء اور ۱۵۵۵ء۔۱۵۵۶ء) میں محمد امین بن عبید اللہ مومن آبادی نے عربی اور فارسی میں فقہ حنفی کے مطابق **فتاوٰی امینیہ** مرتب کیا[20] اور اخوند میر (م۔۱۵۳۵ء) نے ہمایوں کی ایماء پر، **قانون ہمایونی** کے نام سے فقہ پر ایک کتاب بھی لکھی، تاہم ہمایوں کے عہد میں ہندوستان کی تہذیب و تمدن پر ایرانی اثرات کا گہرا اثر پڑنا شروع ہو گیا تھا۔اس کی بنیادی وجہ ہمایوں کا ۱۵۴۰ء میں شیر شاہ سوری (۱۴۸۶ء۔۱۵۴۵ء) سے شکست کھا کر ایران میں جلاوطن ہو جانا اور ۱۵۴۵ء میں قندھار واپسی پر اس کے ہمراہ ایرانی افواج، امراء اور علماء کا آنا تھا۔جلال الدین محمد اکبر (۱۵۴۲ء۔۱۶۰۵ء) کے عہد (۱۵۵۶ء۔۱۶۰۵ء) میں شیعہ اثرات، خصوصاً شمالی ہندوستان میں زیادہ ہونے لگے اور اس وجہ سے فقہ کی بجائے معقولات میں علماء کا رجحان بڑھنے لگا۔[21] اس عہد کی نمایاں شخصیات شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (۱۵۵۱ء۔۱۶۴۲ء) اور شیخ احمد سرہندی (۱۵۶۴ء۔۱۶۲۶ء) کی ہیں۔شیخ عبدالحق دہلوی نے سیرت نبوی اور احادیث کی اشاعت اور قادریہ سلسلۂ طریقت کے ذریعے خدمت دین کی۔وہ فقہ حنفی کو احادیث نبوی کے عین مطابق خیال کرتے تھے۔انہوں نے فقہ حنفی کی تائید میں عربی میں ایک رسالہ **فتح المنان فی تائید النعمان** بھی تصنیف کیا تھا۔[22] شیخ عبدالحق دہلوی نے نورالدین محمد جہانگیر (۱۵۶۹ء۔۱۶۲۸ء) کے لیے آئینِ سلطنت اور قواعد حکمرانی کو **رسالۂ نوریۂ سلطانیہ** کی شکل میں مرتب بھی کیا۔شیخ احمد سرہندی نے شرع کی ترویج، شریعت اور طریقت کی باہم تطبیق، بدعات کی مخالفت اور تصوف میں طریقۂ نقشبندیہ مجدّدیہ کے آغاز و اشاعت سے احیائے اسلام کے لیے جدوجہد کی۔انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے فقہ حنفی کی خصوصیات اور امتیازی حیثیت کو بیان کیا اور نعمان بن ثابت ابوحنیفہؒ (۶۹۹ء۔۷۶۷ء) پر عائد کیے جانے والے تمام اعتراضات کا مکمل رد کیا۔[23] عہد اکبر میں شیخ مفتی نصیرالدین بینائی (م۔۹۸۹/۱۵۸۸ء) کا فارسی میں مرتب کردہ **فتاوٰی برہنہ** اور عتیق اللہ بن اسمٰعیل کا مرتب کردہ **فتاوٰی اکبرشاہی** بھی معروف ہیں۔[24]

۱۶۵۸ء میں محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۱۸ء۔۱۷۰۷ء) ہندوستان کا حکمران بنا۔عالمگیر ایک متشرع انسان اور علماء و صوفیاء کا قدر دان تھا۔اس کے امراء میں اگرچہ اکثریت اہل تشیع کی تھی،[25] تاہم اس نے نظام ہائے حکومت، خصوصاً عدالتی نظام کو فقہ حنفی کے مطابق چلانا چاہا۔اس وقت فقہ حنفی پر کوئی مستند اور جامع کتاب مدون صورت میں موجود نہ تھی۔اس لیے عالمگیر نے ارادہ کیا کہ دہلی، لاہور، احمد آباد اور دیگر مقامات کے جیّد علماء کی ایک جماعت مقرر کی جائے تاکہ وہ معتبر کتب اور قدیم مبسوط علمی نسخوں سے تلاش اور تحقیق و تدقیق اور خوب غور و غوض کے بعد، مسائل کو جمع کر کے ان سے ایک جامع کتاب مرتب کرے جو قاضی اور مفتی حضرات کے ساتھ ساتھ عوام کے لیے بھی فائدہ مند ہو۔[26] پچاس علماء پر مشتمل اس جماعت کے سربراہ شیخ نظام الدین برہان پوری (م۔۱۶۷۹ء) تھے۔اس جماعت نے عربی میں پانچ جلدوں میں فقہ حنفی کے مطابق جو مجموعۂ فتاوٰی تیار کیا، وہ تاریخ میں **فتاوٰی ہندیہ** اور **فتاوٰی عالمگیریہ** کے ناموں سے معروف ہے۔**فتاوٰی عالمگیریہ** سات یا آٹھ سال کی محنت شاقہ سے ۱۶۷۱ء یا ۱۶۷۲ء میں مکمل ہوا۔عالمگیر کو اس مجموعہ کی تیاری سے اتنا شغف تھا کہ اس نے نہ صرف اس علمی اور تحقیقی کام پر دو لاکھ عالمگیری سکے خرچ کیے بلکہ وہ بذات خود اس کے مسودات کو پڑھتا تھا اور مرتبین کو مفید مشورے بھی دیتا تھا۔[27] **فتاوٰی عالمگیریہ** ہندوستان میں علم فقہ کی پہلی مفصل اور مبسوط کتاب ہے۔اس کی ترتیب **الہدایہ** کی عین مطابق ہے۔تمام فقہی مسائل کو زیر بحث

لانے اوران کی تشریح کرنے کے لیے نہایت محنت واحتیاط اورتوجہ سے کام لیا گیا ہے۔اکثر حالات میں احادیث نبوی اورفقہی مذاہب کے ظواہر پر انحصار کیا گیا ہے۔اسی لیے **الہدایہ** کے بعد **فتاوی عالمگیریہ** کا درجہ ہے۔جنوبی ایشیا میں عرصہ دراز تک مسلم عدالتوں کے فیصلے **فتاوی عالمگیریہ** کی روشنی میں ہی ہوتے رہے ہیں۔**فتاوی عالمگیریہ** کا فارسی اوراردو میں مکمل طور پر جب کہ انگریزی میں اس کے منتخبات کا ترجمہ ہوا ہے۔ یہ مجموعۂ فتاوی متعدد بار کئی مقامات سے شائع ہو چکا ہے۔اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ہی خواجہ معین الدین ہادی نقشبندی کشمیری (م۱۶۷۴ء) نے کشمیر کے ممتاز علماء اورفضلاء کے اتفاق وتعاون سے **الفتاوی النقشبندیہ** تصنیف کیا۔[۲۸] ۱۶۹۸/۹۹ء میں مفتی ابوالبرکات بن حسام الدین دہلوی نے عربی میں ایک مجموعۂ فتاوی مرتب کیا۔اس کا اصلی نام اگرچہ **فتاوی عجائب البرکات** تھا، تاہم یہ **فتاوی مجمع البرکات** کے نام سے معروف ہے۔[۲۹] ۱۷۰۸ء میں تابعی محمد بن سعید لکھنوی نے **فتاوی سراج المنیر** مرتب کیا۔[۳۰] ۱۷۱۵ء میں یقین محمد افضل اللہ قادری نے **منتخب الفتاوی** کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا۔[۳۱]

برطانوی عہد (۱۸۵۸ء۔۱۹۴۷ء):

شہاب الدین محمد غوری (۱۱۳۷ء۔۱۲۰۶ء) کے مارچ ۱۱۹۹ء میں دہلی پر قبضہ کرنے سے لے کر ۱۸۵۷ء تک، ہندوستان پرخواہ کسی کی بھی حکومت رہی ہو، اسلامی شریعت کو ہمیشہ سرکاری قانون کا درجہ حاصل رہا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فقہ اسلامی کا دوردورہ، مدارس کے ساتھ ساتھ عدالتوں میں بھی ہو گیا۔شمال مغرب کی طرف سے آنے والے مسلمان وسط ایشیا کی جانب سے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔جہاں فقہ حنفی رائج تھی۔اسی لیے ہندوستان کی تقریباً ہر مسلم ریاست اورعوام میں فقہ حنفی رائج رہی۔ریاست حیدرآباد دکن (۱۷۲۴ء۔۱۹۴۸ء) میں اسلامی طرز پر دارالقضاۃ کا محکمہ قائم تھا۔جس میں ریاست کے شرعی معاملات طے ہوتے تھے۔افتاء کا منصب بھی سرکاری طور پر قائم تھا۔عدالت عالیہ میں صدرمفتی کا عہدہ تھا جس کا کام، قتل وقصاص کے معاملات میں شریعت کے مطابق فتوی دینا تھا۔[۳۲] مولانا محمد عبدالقدیر قادری بدایونی (۱۸۹۴ء۔۱۹۶۰ء) ریاست حیدرآباد دکن میں عدالت عالیہ کے تقریباً ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۸ء تک صدرمفتی رہے۔[۳۳]

مسلم دور میں ہندوستان میں چوں کہ عدالتی نظام بھی فقہ حنفی کے مطابق کام کرتا رہا تھا، اس لیے مسلم حکمرانوں نے وقتاً فوقتاً اپنی ضروریات اوروقت کے تقاضوں کے پیش نظر، اپنی نگرانی اورخواہش پر فقہی مسائل پر مشتمل کئی مجموعے مرتب کرائے۔تاہم مسلم دور کے ۱۸۵۷ء میں خاتمے کے ساتھ ہی، عدالتی نظام میں بھی دیگر نظام ہائے حکومت کی طرح تبدیلیاں آئیں اورشریعت کو ثانوی حیثیت حاصل ہوگئی۔لیکن مسلمان گھرانوں میں ابھی تک اسلامی شریعت وفقہ حنفی کا دوردورہ تھا۔مسلم عہد میں ہندوستان میں عوام کی شرعی رہنمائی کے لیے محکمہ قضاء موجود تھا۔لیکن زوال اقتدار کے بعد قائم ہونے والی انگریزی عدالتوں پر مسلمانوں کو اعتماد نہ تھا۔اس لیے وہ اپنے مسائل کے حل کے لیے اب بھی علماء اورمفتی حضرات کے پاس ہی جاتے تھے۔جہاں وہ اپنے مسائل کا حل متداول فقہ کی روشنی میں حاصل کرتے تھے۔[۳۴]

ابتداء میں برطانوی سامراج کو ایسے علماء وفقہاء کی ضرورت تھی جو مسلم پرسنل لاء تیار کر کے، مسلمانوں کے فقہی مسائل کو ان کی روایت کے مطابق نافذ کرانے میں اس کی مدد کرسکیں۔گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز (۱۷۳۲ء۔۱۸۱۸ء) نے کلکتہ میں ۱۷۸۱ء مدرسہ عالیہ قائم کیا۔مزید برآں ہیسٹنگز نے بعض اہم مسلم فقہی مصادر کے فارسی میں تراجم کرانے کے لیے چند علماء کو مقرر کیا۔بعدازاں ان تراجم کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔[۳۵] قاضی نجم الدین علی خان ثاقب علوی کاکوروی (۱۷۴۴ء۔۱۸۱۴ء) کو ایسٹ انڈیا کمپنی (۱۶۰۰ء) نے کلکتہ کا قاضی القضاۃ

مقرر کیا۔اودھ، اکبرآباد، الہ آباد، اڑیسہ، بنگال، بہاراور ڈھاکہ کے صوبوں میں بھی ان کے فتاوٰی پر عمل ہوتا تھا۔مفتی کا کورِوی پچیس سال تک اس عہدہ پر فائز رہے۔بالآخر بڑھاپے کی وجہ سے خود ہی مستعفٰی ہو گئے۔[36] مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی (۱۷۸۹ء۔۱۸۶۲ء) دہلی کے صدرالصدور اور مفتیِ وقت تھے۔آپ تیس سال تک اس عہدہ پر فائز رہے۔لیکن جب جولائی ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے چونتیس جیّد علماء نے انگریزی سامراج کے خلاف جہاد کا فتوٰی دیا، جن میں مفتی دہلوی بھی شامل تھے، تو نہ صرف مفتی دہلوی کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا بلکہ انہیں چند ماہ تک نظر بند بھی رکھا گیا۔[37] مفتی محمد یوسف (۱۸۰۸ء۔۱۸۷۰ء) جو لکھنؤ شہر کے مفتی تھے، ان کو بھی ۱۸۵۶ء کے بعد ان کے عہدہ سے الگ کر دیا گیا تھا۔[38]

۱۸۶۴ء میں انگریزوں نے عرصہ دراز سے قائم قاضی عدالتیں ختم کر دیں اور ساتھ ہی شریعت کو پرسنل لاء تک محدود کر دیا۔تاہم اس کے باوجود بعض پیچیدہ معاملات میں علماء اور مفتی حضرات سے انگریزی عدالتیں مشورہ کرتی رہی ہیں۔[39] قاضی اور مفتی حضرات کی اس مشاورتی حیثیت کے خلاف علماء اور عوام نے احتجاج بھی کیا۔تاہم انگریزوں نے اس مخالفت کی پرواہ نہ کی اور ۱۸۸۰ء میں قاضی ایکٹ نافذ کر کے ان کی اس مشاورتی حیثیت کو قانونی شکل دے دی۔

ہندوستان کی تمام عدالتیں، برطانیہ میں قائم پریوی کونسل کے ماتحت تھیں۔اسلامی مقدمات کے فیصلے کرنا بھی پریوی کونسل کے دائرہ اختیار میں آ گیا تھا۔جس کے فیصلے کو ماننا، ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے بھی ضروری ہو گیا تھا۔اگرچہ پریوی کونسل کے اراکین مسلمانوں کے مقدمات میں پوری کوشش کرتے کہ ان کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہو۔مگر پھر بھی اسلامی قانون کی روح اور فلسفہ کا پوری طرح اور صحیح طور پر ادراک نہ ہونے کی وجہ سے، وہ انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے تھے۔۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۲ء میں پریوی کونسل نے یہ فیصلہ دیا کہ قرآن مجید اور احادیث نبوی کی صرف وہی تعبیر وتشریح درست مانی جائے گی جو جیّد علماء اور فقہاء نے کی ہو۔مزید یہ کہ پریوی کونسل اور نہ ہی اس کے ماتحت عدالتیں، آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی کوئی ایسی تشریح کریں گی جو اسلام کے خلاف ہو۔ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی دور حکومت میں اہل ہندوستان کے رسوم و رواج اور مذہبی معاملات میں عموماً عدم مداخلت کی روایت قائم رہی۔تاہم نومبر ۱۹۱۷ء میں حافظ محمد احمد (۱۸۶۲ء۔۱۹۲۸ء) کی قیادت میں علمائے دیوبند کا ایک وفد ایڈون سموئیل مانٹیگو (۱۸۷۹ء۔۱۹۲۴ء) وزیرِ امور ہند (۱۹۱۷ء۔۱۹۲۲ء) سے دہلی میں ملا اور اسے دس نکاتی یادداشت پیش کی۔جس میں بنیادی مطالبہ یہ کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے عائلی مسائل میں حکومت کوئی مداخلت نہ کرے اور نہ ہی کوئی ایسا ایکٹ وضع کرے جو شرعی قانون سے متصادم ہو۔علماء کے اس وفد نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لاء کے اجراء کے لیے محکمہ قضاء قائم کیا جائے۔[40]

۱۹۳۷ء میں 'دی مسلم پرسنل لاء (شریعت) اپلیکیشن' ایکٹ نافذ ہوا۔اس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں جو غیر اسلامی رسوم و رواج، خصوصاً وراثت کے معاملے میں، رائج ہو گئے ہیں اور جو رفتہ رفتہ قانونی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، ان کو ختم کیا جائے۔تاہم وصیت اور تبنیت کو اس ایکٹ سے استثناء حاصل تھا۔[41]

قطب الدین احمد المعروف بہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۷۰۳ء۔۱۷۶۳ء) کو علم فقہ کی بجائے اصول الفقہ سے زیادہ دلچسپی تھی۔لیکن علم فقہ کو صحیح علمی اور ٹھوس بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے انہوں نے بڑی کوشش کی۔اس سلسلہ میں ان کا عربی میں تحریر کردہ مختصر رسالہ

الانصاف فی بیان سبب الاختاف قابل ذکر ہے۔اس رسالہ میں انہوں نے عہد نبوی سے لے کر گیارھویں صدی عیسوی تک کتب احادیث نبوی کی فراہمی، تدوین فقہ اور مختلف فقہی مذاہب کے آغاز وارتقاء سے بحث کی ہے۔اس طرح تقلید اور اجتہاد کے مسئلہ پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے **عقد الجیّد فی احکام الاجتہاد والتقلید** لکھی۔شاہ ولی اللہ عامی، خصوصاً ہندوستان اور ماوراء النہر سے تعلق رکھنے والوں کے لیے حنفی المذہب ہونا واجب قرار دیتے ہیں اور ایسے علاقے کے مسلمانوں کے لیے بھی، جہاں کسی دوسرے فقہی مذہب کا وجود نہ ہو۔تاہم علماء کے لیے تقلید کو وہ حرام سمجھتے تھے۔[۴۲] شاہ ولی اللہ نے صوفیاء اور فقہاء کے باہمی اختلافات کو کم کرانے کے ساتھ ساتھ اختلاف بین المذاہب کی خلیج کو بھی کم کرانے کی کوششیں کیں۔[۴۳] مغلوں کے عہد زوال (۱۷۰۷ء۔۱۸۵۷ء) کے دوران دہلی میں خاندان ولی الٰہی دینی، فقہی اور روحانی معاملات میں مسلمانوں کے لیے مرجع خلائق کی سی حیثیت رکھتا تھا، جب کہ انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان میں غیر مقلدین کے بڑھتے ہوئے اثرات کو کم کرنے کے لیے لکھنؤ میں مقیم علمائے فرنگی محل، علمِ فقہ کی طرف مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ توجہ دلانے میں مصروف تھے۔[۴۴]

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں مسلمانان عالم، خصوصاً جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے کئی نئے فکری، نظریاتی اور عملی مسائل سامنے آئے۔اس دوران دو عظیم عالمی جنگیں[(۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء) اور (۱۹۳۹ء۔۱۹۴۵ء) ہوئیں۔عرب وعجم کے کئی مسلم ممالک پر غیر مسلموں کی چیرہ دستی، اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظاموں کی باہمی کشمکش اور مسلم معاشروں پر ان کے اثرات، سائنسی علوم وایجادات کی بھرمار، معیشت، معاشرت، سیاست اور اخلاقیات میں نئی راہوں اور طرز فکر وعمل کا ظہور، زرعی معاشرے کی زوال پذیری اور صنعتی معاشرے کی تشکیل کے ساتھ ساتھ اسلام کے مقابل دوسرے ادیان کی وسیع بنیادوں پر منظّم تبلیغ واشاعت اور خود اسلام کے اندر نئے نئے فرقوں اور گروہوں کا ظہور وہ عوامل ہیں جن کے تحت عوام کو نئے اور پریشان کن مسائل اور حالات وواقعات سے دوچار ہونا پڑا۔اسی پس منظر میں جنوبی ایشیا، خصوصاً برعظیم پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت میں فتوی نویسی کا عمل بڑی تیزی سے پروان چڑھا۔قبل ازیں یہ فن صرف علماء اور فقہاء کی باہمی علمی وفقہی مباحث تک ہی محدود تھا۔تاہم نئے حالات کے تقاضوں کے پیش نظر، فتوی نویسی کا عمل عوام میں بھی مقبول ہوگیا اور یہ ایک مستقل فن بن گیا۔

دارالافتاء کی ابتداء:

جنوبی ایشیا میں پہلا معلوم دارالافتاء، مفتی رضا علی خاں بریلوی (۱۸۰۹ء۔۱۸۶۹ء) نے ۱۸۳۱ء میں بریلی، اتر پردیش میں قائم کیا۔[۴۵] ۱۸۶۲ء کے لگ بھگ جامع مسجد فتح پوری، دہلی (۱۶۵۰ء) میں مفتی رحیم بخش الملقب بہ شاہ محمد مسعود محدّث دہلوی (۱۸۳۴ء۔۱۸۹۲ء) نے دارالافتاء قائم کیا۔[۴۶] یکم جنوری ۱۸۸۷ء کو انجمن مستشار العلماء، لاہور قائم ہوئی اور اس نے جدید واقعات کی بابت علماء سے مشورہ کر کے، مختلف آراء کی روشنی میں کسی مسئلہ پر ایک متفقہ رائے دینے کے لیے، منتخب علماء کی ایک جماعت پر مشتمل دارالافتاء قائم کیا۔[۴۷] ۱۸۸۷ء میں دارالعلوم انجمن نعمانیہ ہند، لاہور (۱۸۸۷ء) میں دارالافتاء کی بنیاد رکھی گئی۔انجمن نعمانیہ ہند، لاہور کے دارالافتاء میں آمدہ سوالات اور ان کے جوابات، مستفتی اور مفتی کے نام اور تاریخ کے بغیر، بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے کے آخر سے انجمن کے ماہوار رسالہ **دارالافتاء** میں شائع ہوتے رہے۔تاہم یہ سلسلہ چند سالوں تک ہی جاری رہ سکا۔[۴۸] مئی ۱۸۶۷ء میں دیوبند، ضلع سہارن پور، اتر پردیش

میں مدرسہ قاسم العلوم کا قیام عمل میں آیا۔ بعد از اں جنوری ۱۸۷۹ء میں یہ مدرسہ، دارالعلوم دیوبند کے نام سے موسوم ہوا۔ اگرچہ یہاں پر ۱۸۷۶ء میں فتوٰی نویسی کی ابتداء ہوگئی تھی تاہم ۹۳-۱۸۹۲ء میں باقاعدہ طور پر دارالافتاء قائم ہوا۔[49] نومبر ۱۹۱۱ء سے اپریل ۱۹۹۹ء تک اس دارالافتاء سے سات لاکھ سے زائد فتاوٰی جاری ہوئے۔[50] ان دارالافتاء اور ان جیسے دیگر قائم ہونے والے دارالافتاء سے اور انفرادی طور پر بھی ،انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں کروڑوں کی تعداد میں فتاوٰی جاری ہوئے۔ جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ یہ فتاوٰی اردو، انگریزی، عربی اور فارسی کے علاوہ جنوبی ایشیا کی دیگر زبانوں میں بھی جاری کیے گئے۔ ان فتاوٰی میں سے بہت کم محفوظ رہ سکے جبکہ زیادہ تر فتاوٰی ضائع ہو چکے ہیں۔ جو محفوظ رہ گئے ان میں سے بہت کم مطبوعہ صورت میں موجود ہیں۔ ان تحریری فتاوٰی کے علاوہ زبانی دیئے گئے فتاوٰی کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ آج کی جدید دنیا میں لوگ اخبارات، رسائل اور جرائد، ریڈیو، ٹیلی وژن، ٹیلی فون، موبائل اور انٹرنیٹ کے ذریعے بھی مفتی حضرات سے فتاوٰی پوچھ کر، فن فتوٰی نویسی کی تاریخ میں نئے باب کا اضافہ کر رہے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جنوبی ایشیا میں جتنے فتاوٰی فقہ حنفی کے تحت دیے گئے ہیں اور دیے جا رہے ہیں، شاید ہی کسی دوسرے فقہی مذہب کے تحت دیے گئے ہوں۔ فتوٰی نویسی کے اس سارے عمل میں ایک بات نمایاں ہے کہ اگرچہ لوگ بعض نئے پیش آنے والے حالات وواقعات کے بارے میں مفتی حضرات سے استفتاء پوچھتے ہیں تاہم ان کی اصل دلچسپی کا میدان آج بھی عقائد، ارکان اسلام، احکام اور معاملات ہی ہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں شائع ہونے والے فتاوٰی کا معتدبہ حصہ، انہی سے متعلقہ مسائل کے جوابات پر مشتمل ہے۔

فتوٰی نویسی کا عمل خالصتاً فی سبیل اللہ اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس لیے فقہاء اور مفتی حضرات نے اپنے جاری کردہ فتاوٰی کی ترتیب وتدوین اور اشاعت کی طرف عموماً زیادہ توجہ نہیں دی۔ جنوبی ایشیا، خصوصاً برعظیم پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت میں فتاوٰی کو کب سے جمع کرنا شروع کیا گیا؟ اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی۔ تاہم گمانِ غالب یہی ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہی علماء ومفتی حضرات اور عوام نے فتاوٰی کو جمع کرنا شروع کیا ہوگا۔ کیوں کہ اس کے بعد ہی فتاوٰی کے مختلف انفرادی اور اجتماعی مجموعے سامنے آئے۔ جن میں اردو میں شائع شدہ مجموعہ ہائے فتاوٰی کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ان میں اکثریت کا تعلق حنفی مذہب سے ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک، غیر مقلد علماء بھی فقہ حنفی کے مطابق عموماً فتوٰی دیتے رہے ہیں۔[51] ان مجموعہ ہائے فتاوٰی کے علاوہ، بعض مسائل پر مختلف فقہاء، علماء اور مفتی حضرات نے جو طویل اور مستقل فتاوٰی دیئے، وہ موضوع کی مناسبت سے علیحدہ طور پر، کتابی صورت میں شائع ہوئے ہیں۔

جنوبی ایشیا، خصوصاً برعظیم پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت کے علماء وفقہاء نے قرآن مجید اور احادیث نبوی سے متعلقہ علوم وفنون کی گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ اسی طرح علم فقہ، خصوصاً فقہ حنفی کے لیے بھی ان کی علمی خدمات قابل صدتحسین ہیں۔ ان علماء وفقہاء نے اپنے اپنے مجموعہ ہائے فتاوٰی اور فقہی کتب کے ذریعے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے خصوصاً اور دنیا بھر کے اردو داں انسانوں کے لیے عموماً ایک کامیاب، پرسکون اور بامقصد اسلامی طرز زندگی کے لیے، واضح ہدایت اور منہاج کو بیان کر دیا ہے۔

حواشی

۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ۱۹۷۷ء، حجۃ اللہ البالغہ (جلد اول)، ترجمہ خلیل احمد اسرائیلی، لاہور، ص ۳۸۷

۲۔ محمد نصیر الدین، ۱۹۵۳ء، تاریخ تدوین فقہ، لاہور، ص ۲۰۔۲۲

۳۔ شیخ محمد اکرام، ۱۹۶۵ء، آب کوثر، لاہور، ص ۱۲۵۔۱۲۶

۴۔ سید معین الحق، ۱۹۶۵ء، معاشری اور علمی تاریخ، کراچی، ص ۷

۵۔ آب کوثر، تصنیف مذکور، ص ۱۲۷۔۲۸

۶۔ ضیاء الدین، ۱۹۹۶ء، "A Study Of Fiqh Literature In Urdu:Since 1857 A.D." (ایم فل مقالہ)، علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ص ۲۰

۷۔ ظفر الاسلام، ۱۹۹۰ء "Development of Islamic Jurisprudence in Sultanate Period," مشمولہ: Hamdard Islamicus ۱۳ (کراچی)، ص ۱۶۔۱۸

۸۔ عبد الاوّل جونپوری، ۱۹۸۱ء، مفید المفتی، ملتان، ص ۱۷۱

۹۔ شبلی نعمانی، امام اعظم، لاہور، س۔ن، ص ۱۶۹

۱۰۔ محمد اسحاق بھٹی، ۱۹۷۳ء، بر صغیر پاک و ہند میں علم فقہ، لاہور، ص ۳۶، ۴۴

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۱، ۷۲

۱۲۔ فقیر محمد، ۱۹۰۶ء، حدائق الحنفیہ، لکھنؤ، ص ۳۰۶

۱۳۔ ظفر الاسلام، ۱۹۹۰ء، Socio - Economic Dimension Of Fiqh Literature in Medieval India لاہور، ص ۲۰۔۲۳

۱۴۔ مشیر الحق ۱۹۸۶ء، ''برصغیر میں فقہ اسلامی کے ارتقاء کا ایک جائزہ''، عماد الحسن آزاد فاروقی (مرتبہ)، ہندوستان میں اسلامی علوم و ادبیات، نئی دہلی، ص ۶۱

۱۵۔ خلیق احمد نظامی، ۱۹۹۰ء، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، لاہور، ص ۳۹۷

۱۶۔ سید اقبال، ۱۹۶۳ء، محمد، تاریخ شیراز ہند جونپور، جونپور، ص ۲۴

۱۷۔ ایضاً، ص ۶۰۹

۱۸۔ بر صغیر پاک و ہند میں علم فقہ، تصنیف مذکور، ص ۶۲

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۳۴، ۲۳۶

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۳۰

۲۱۔ شیخ محمد اکرام، ۱۹۶۸ء، رُود کوثر، لاہور، ص ۳۲۔۳۴، ۱۶۲

۲۲۔ خلیق احمد نظامی، ۱۹۶۴ء، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، دہلی، ص ۱۷۹

۲۳۔ شیخ احمد سرہندی، ۱۹۷۲ء، مکتوبات امام ربّانی (دفتر دوّم)، (حصّہ دوّم)، ترجمہ، محمد سعید احمد، دہلی، ص ۳۲-۳۵

۲۴۔ زبید احمد، ۱۹۹۱ء، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصّہ، ترجمہ، شاہد حسین رزّاقی، لاہور، ص ۳۰۱

۲۵۔ رُود کوثر، تصنیف مذکور، ص ۳۴

۲۶۔ احمد ربّانی (مرتب)، ۱۹۷۲ء، مقالات مولوی محمد شفیع (جلد چہارم)، لاہور، ص ۶۸

۲۷۔ مجیب اللہ ندوی، فتاویٰ عالمگیری کے مؤلّفین، لاہور، س۔ن، ص ۶-۷

۲۸۔ مفید المفتی، تصنیف مذکور، ص ۲۶۵

۲۹۔ ظفر الاسلام، ۱۹۹۷ء، "Origin and Development of Fatawa - Compilation in Medieval India" مشمولہ: Hamdard Isalamicus (کراچی)، جلد ۲۰، (جنوری۔مارچ ۱۹۹۷ء) شمارہ 1، ص ۱۰

۳۰۔ ضیاء الدین ۲۰۰۰ء، "Contribution Of India To Fiqh Literature In Arabic Upto 1857" (پی ایچ ڈی مقالہ)، علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ص ۳۵، ۵۱

۳۱ "Origin and Development of Fatawa - Compilation in Medieval India" تصنیف مذکور، ص ۱۱

۳۲۔ ۱۹۸۰ء، ماہنامہ الرّشید (ساہیوال)، مارچ۔اپریل ۱۹۸۰ء، (تاریخ دارالعلوم دیوبند نمبر)، ص ۹۳

۳۳۔ محمد مسعود احمد، ۱۹۷۸ء، مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی، لاہور، ص ۲۱

۳۴۔ ۔"برصغیر میں فقہ اسلامی کے ارتقاء کا ایک جائزہ"، تصنیف مذکور، ص ۶۴

۳۵۔ محمد اسلم سید، ۱۹۸۸ء، Muslim Response To The West:Muslim Historiography In India 1857-1914 اسلام آباد، ص ۱۵-۱۶

گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز نے الہدایہ کا مکمل اور فتاویٰ عالمگیریہ کے چند ابواب کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ بعد ازاں اس فارسی ترجمہ کی بنیاد پر کیپٹن ہملٹن نے الہدایہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا، جو کہ تین جلدوں میں شائع شدہ ہے۔ سید محمد سلیم، مغربی زبانوں کے ماہر علماء (علی گڑھ کالج کے قیام سے پہلے)، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۵۹-۶۱

۳۶۔ محمد اسحاق بھٹی، ۱۹۸۹ء، فقہائے پاک و ہند: تیرہویں صدی ہجری (جلد سوّم)، لاہور، ص ۳۴۷، ۳۵۱ - ۳۵۲

۳۷۔ حدائق الحنفیہ، تصنیف مذکور، ص ۴۸۱ - ۴۸۲

۳۸۔ اقبال حسین۔ ۲۰۰۰ء، "From Traditional Roots To Nationalism - A History of the Farangi Mahal Family", مشمولہ: Islamic Cultur (حیدرآباد دکن)، جلد ۷۴ شمارہ ۳، ص ۹

۳۹۔ آیک عرفین منصور نور، "Ulama In Changing Society: A Re-Examination of The Deoband Movement (1867-1924)" شمولہ: Hamdard Islamicus (کراچی)، جلد ۱۶ شمارہ ۲ (گرما ۱۹۹۳ء) ص ۹۸

۴۰۔ الرّشید، تصنیف مذکور، ص ۱۳۸۔ مسلم پرسنل لاء اور شرعی قانون کے تحفظ اور بقاء کے لیے ۱۹۷۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں محکمہ قضاء قائم کیا گیا۔

۴۱۔ سیّد خالد رشید، ''اینگلو محمڈن لا: بعض بنیادی مسائل''، ضیاءالحسن فاروقی اور مشیرالحق (مرتبین)، فکر اسلامی کی تشکیل جدید، لاہور، س۔ن، ص ۳۵۰

۴۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، ۱۹۸۱ء، فقہی اختلافات کی اصلیّت، ترجمہ، محمد عبیداللہ بن خوشی محمد لاہور، ص ۷۲

۴۳۔ رُود کوثر، تصنیف مذکور، ص ۵۵۸، ۵۶۲

۴۴۔ ایف۔ یو فاروقی، ۱۹۹۹ء، *Lucknow: A Centre of Arabic and Islamic Studies during the Ninteenth Century,* نئی دہلی، ص ۲۱۴

۴۵۔ محمد شہاب الدین رضوی، ۱۹۹۶ء، مولانا نقی علی خان بریلوی، لاہور، ص ۲۹

۴۶۔ محمد مسعود احمد، ۱۹۸۷ء، حیاتِ مسعودی، فتاوٰی مسعودی، کراچی، ص ۴۲

۴۷۔ انجمن مستشار العلماء، ۱۹۰۷ء، مجموعہ فتاوٰی صابریہ (جلد اوّل)، لاہور، ص ۴۔۵

۴۸۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (مرتبہ)، ۱۹۹۰ء، دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور کا تعارف، لاہور، ص ۱۱

۴۹۔ محمد طیب، ۱۹۶۵ء، دارالعلوم دیوبند: دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، دیوبند، ص ۳۰

۵۰۔ http://darululoom-deoband.com/urdu//index.htm

۵۱۔ محمد خالد مسعود ۱۹۹۳ء، *"The Definition of Bid'a In The South Asian Fatawa Literature"* مشمولہ: *Annales Islamologiques* (کائر)، جلد ۲۷، ص ۵۷

فہرست اسنادِ محولہ

احمد، زبید، ۱۹۹۱ء، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصّہ، ترجمہ، شاھد حسین رزّاقی، لاہور

احمد، سید اقبال، ۱۹۶۳ء، تاریخ شیراز ہند جونپور، جونپور

احمد، محمد مسعود، ۱۹۸۷ء، فتاوٰی مسعودی، کراچی

ــــــ، ۱۹۷۸ء، محمد عبدالقدیر بدایونی، لاہور

اکرام، شیخ محمد، ۱۹۶۵ء، آب کوثر، لاہور

ــــــ، ۱۹۶۸ء، رُود کوثر، لاہور

انجمن مستشار العلماء، ۱۹۰۷ء، مجموعہ فتاوٰی صابریہ، جلد اوّل، لاہور

بھٹی، محمد اسحاق، ۱۹۷۳ء، بر صغیر پاک و ہند میں علم فقہ، لاہور

ـــــ،۱۹۸۹ء، فقہائے پاک و ہند : تیرہویں صدی ہجری،جلدسوّم، لاہور
جونپوری،عبدالاوّل،۱۹۸۱ء، مفید المفتی،ملتان
دہلوی،شاہ ولی اللہ،۱۹۷۷ء،حجتہ اللہ البالغہ،جلداول،ترجمہ،خلیل احمداسرائیلی،لاہور
ـــــ،۱۹۸۱ء،فقہی اختلافات کی اصلیّت،ترجمہ، محمدعبیداللہ بن خوشی محمد، لاہور
رضوی،محمدشہاب الدین،۱۹۹۶ء، مولانا نقی علی خان بریلوی،لاہور
سرہندی،شیخ احمد،۱۹۷۲ء، مکتوبات امام ربّانی ،دفتر دوّم، حصّہ دوّم، ترجمہ، محمدسعیداحمد،دہلی
سلیم،سیدمحمد،۱۹۹۳ء، مغربی زبانوں کے ماہر علماء (علی گڑھ کالج کے قیام سے پہلے)،لاہور
سید،محمداسلم،۱۹۸۸ء، *Muslim Response To The West: Muslim Historiography In 1857-1914, India* اسلام آباد
شفیع،محمدمولوی ،۱۹۷۲ء،مقالات مولوی محمد شفیع،جلد چہارم،مرتب،احمدربانی،لاہور
ضیاءالدین،۱۹۹۶ء،"*A Study Of Fiqh Literature In Urdu:Since 1857 A.D.*"مقالہ برائے ایم فل پیش کردہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
ـــــ،۲۰۰۰ء،"*Contribution Of India To Fiqh Literature In Arabic Upto 1857*" مقالہ برائے پی ایچ ڈی پیش کردہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
طیب،محمد،۱۹۶۵ء،دارالعلوم دیو بند:دارالعلوم دیو بند کی صد سالہ زندگی،دیو بند
ظفرالاسلام،۱۹۹۰ء، *Socio - Economic Dimension Of Fiqh Literature In Medieval India,* لاہور
فاروقی،ایف۔یو،۱۹۹۹ء، *Lucknow: A Centre of Arabic and Islamic Studies during the Ninteenth Century,* نئی دہلی
فاروقی،پیرزادہ اقبال احمد،۱۹۹۰ء، دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور کا تعارف،مرتبہ،لاہور
فاروقی،ضیاءالحسن اورمشیرالحق،مرتبین،س۔ن، فکر اسلامی کی تشکیل جدید،لاہور
فاروقی،عمادالحسن آزاد،۱۹۸۶ء، ہندوستان میں اسلامی علوم و ادبیات،مرتبہ،نئی دہلی
محمد،فقیر،۱۹۰۶ء، حدائق الحنفیہ،لکھنؤ
معین الحق،سید،۱۹۶۵ء،معاشری اور علمی تاریخ،کراچی
ندوی،مجیب اللہ،س۔ن، فتاوٰی عالمگیری کے مؤلّفین، لاہور
نصیرالدین،محمد،۱۹۵۳ء، تاریخ تدوین فقہ، لاہور
نظامی،خلیق احمد،۱۹۶۴ء، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی،دہلی
ـــــ،۱۹۹۰ء، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، لاہور

نعمانی، شبلی، س۔ن، امام اعظم، لاہور
http://darululoom-deoband.com/urdu//index.htm

Abstract

In this article, an attempt has been made to give an historical account of the evolution of Fiqh-i-Hanafi and ifta' right from the advent of Muslims in South Asia till ninetieth century. It is observed that mostly it got official patronage even during the British Period. The South Asia has a unique significance that as the majority of the South Asians are Hanafis, so, the fatawa given in the light of Fiqh-i-Hanafi are tremendous and countless in number.

The first Darul ifta' in South Asia was established in 1831 and eventually this institution spread rapidly all over the region. With the introduction of new technologies, this institution is being influenced and a new history is being made in the field of ifta'.